لسانی الحاد و لغوی فساد - ماء

از انجینیئر عبدالحمید فاروقی

رسالہ بلاغ القرآن، شمارہ نومبر ۲۰۰۹

جوابی توضیحات ازطرف اورنگزیب یوسفزئی -سلسلہ دعوت قرآنی، لاہور

بیان میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہوتو کیا کہیئے

صاحب مضمون پھرایک عددمکتوب کیساتھ رونمائی فرماتے ہیں۔ اورراقم کی طرف سے ماقبل پیش کردہ مختصر، راست و دو ٹوک قرآنی دلائل کے بعد، پانچ (۵) زیربحث عناوین میں سے چار(۴) پرسکوت اختیار فرماتے ہوئے، اب صرف لفظ [ماء] کے مفہوم پر بحوالہ سورۃ انفال:۱۱ (نیز سورۃ النساء:۴۳) مزید طبع آزمائی کابیڑہ اٹھاتے ہیں۔ اور لن ترانی اورتمہید طولانی کا بے محابا استعمال کرتے ہوئےفضول یاوہ گوئی کاایک اورطوفان برپا کردیتے ہیں۔ علم الکلام پر جناب کی ''مشق سخن اورمہارت تامہ'' کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی، کیونکہ جس بھی صاحب علم دوست یابزرگ کوجناب کامکتوب مطالعہ اوررائے کیلئے پیش کیا گیا، ایک یا دو پیراگراف پڑھنے کے بعدہی مزید مطالعے کی تاب نہ لاتے ہوئے، انتہائے خوف کے عالم میں، ترنت واپس اس عاجز کے حوالے کردیا گیا۔اس صورت حال میں ادارہ بلاغ القرآن کی ''حوصلہ مندی'' اور ''علم دوستی'' کی بھی تعریف کرنا واجب ہوتا ہے کہ اس قماش کی تضیع اوقات بھی فرقہ پرورانہ لواحق و لوازم اورجوش وجذبہ کی فراوانی کیساتھ شائع فرمانے کاکشٹ اٹھاتے ہیں۔ اورقیمتی صفحات کی قربانی برداشت کرتے ہیں۔ الغرض، مکتوب کیا ہے؟ علم، عقل، شعوراوردانشوری کی توہین کاایک نادرمرقع ہے۔

یہاں جناب محترم کا قیام و اصرار اپنے سابقہ موقف، یعنی ماء کے لفظی معانی ہی کے حق میں ہے جبکہ اس عاجز کی جانب سے استدلال، لفظی نہیں، بلکہ [ماءمن السماء] کے '' اصطلاحی ومجازی '' معنی کے حق میں تھا۔

یہ احقر اصل موضوع پر استدلال کاجواب رقم کرنے سےقبل مکتوب میں درج شدہ چندضمنی نکات پر کچھ سطورمختصرا گوش گزارقارئین کرنے کی اجازت چاہیگا۔ اولا، فاضل مکتوب نگارنے استادمحترم، ڈاکٹر قمرزمان کیلئے جن نیک جذبات کااظہارفرمایا اور جس اندازمیں اپناسابق اسلوب تحریراچانک لیبل بازی اورتہمت تراشی کی سطح سے بلندفرماکرمعتدل مزاجی کے رنگ میں ڈھال لیا، وہ قابل تحسین ہے۔ مذکورہ تبدیلی اس درجہ میں مکمل اورقطعی نظرآتی ہے کہ سابقہ اورموجودہ مکتوب ایک ہی نوک قلم سے نکلے باورنہیں ہوتے۔ اس ضمن میں اس ناچیز کے دل کی گہرائیوں سےنکلی ہوئی دعاجوصاحب مکتوب کےحق میں اس احقرنے اپنے جوابی مضمون کی آخری سطرمیں باری تعالٰی کےحضورپیش کی تھی، قبولیت کادرجہ پاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس ذات عظیم کاشکر ہے۔

ثانیا، اس احقر کے جوابی مضمون کو ''کروڑوں، اربوں انسانوں میں ایک شخص کی تنقید'' (بحوالہ آخری صفحہ ۳۲) قراردینے سے صاحب مکتوب کے ذہن رسامیں مبالغے اورخوش گمانی کے جوسوتے پھوٹتے نظرآتے ہیں، ان کے بارے میں عرض یہ ہے، کہ ہم یہ

کیوں فراموش کریں کہ ایک ذاتی نقطۂ نظر جب شکائتی و ملامتی انداز سے، ایک فرقہ پرست اور انتہائی جانبدار جریدے کے صفحات مستعار لے کر، عوام الناس کے مطالعے اور تجزیہ کے لئے پیش کر ہی دیا جاتا ہے، تو پھر یہ ہمارے اختیار کا معاملہ نہیں رہ جاتا کہ جوابی تنقید کسی ایک شخص کی جانب سے آنا چاہیئے یا ''کروڑوں اربوں'' کی جانب سے!! اور کسی خاص الخاص شخصیت کی جانب سے آنا چاہیئے یا کسی عامی کی جانب سے!! یہ تو خالصتاً پبلک کے حق اور پسند (choice) کا معاملہ ہے۔ آپ یہاں اپنی منشاء کیسے چاہ سکتے ہیں؟ اور یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ جناب کے دلائل کو ''اس ایک شخص'' کے سوا کسی نے بھی لائق اعتنا ہی نہ سمجھا ہو!! اور ''اس ایک شخص'' نے بھی فقط راست الزامات اور اتہامات کی بنا پر ہی جواب دہی کی زحمت بمشکل گوارا کی ہو، وگرنہ جناب کی خامہ فرسائی یقیناً اس معیار کی نہ تھی کہ اس درفنطنی پر مغزماری کی جاتی۔ یہ تو ذاتی خیال آرائی، یا زیادہ سے زیادہ، صرف منطق کے زمرے میں شامل کی جاسکتی تھی، جبکہ توقع صرف اور صرف قرآنی استدلال کے ذریعے (یا medium) سے فرمودات الٰہیہ سے راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنا تھی۔ یوں بھی معاصر عزیز بلاغ القرآن کروڑوں اربوں تو کجا، اغلباً ہزاروں کی تعداد میں بھی شائع نہیں ہوتا۔ اور چند سو لوگ بمشکل اسے پڑھ پاتے ہوں گے۔ نیز قرآنی موضوعات پر علمی و تنقیدی استدلال کرنا ویسے بھی صدیوں سے جبری گمراہی میں مبتلا کی گئی اس مظلوم قوم میں ایک ایسی ذہنی عیاشی کا درجہ رکھتی ہے، جو معدودے چند فارغ البال خوش نصیبوں ہی کو میسر ہے جو ''تصورِ جاناں کیئے ہوئے'' بیٹھے رہنے کے قابل ہوں۔ اور غمِ جاناں پر غمِ روزگار جبراً فوقیت نہ حاصل کر گیا ہو۔

ثالثاً، صاحب مضمون کا یہ بیان کہ اس ناچیز کی تحریر ان کے موجودہ مضمون کی تحریر سے صرف دو روز قبل انہیں ملی ہے، ناقابل یقین ہے۔ ناچیز کے پاس ثبوت موجود ہے کہ اس کی تحریر اگست ہی میں جناب کو براستہ واہ کینٹ، راست ذاتی رابطے کے ذریعے پہنچا دی گئی تھی۔ اگست ہی میں ادارہ بلاغ القرآن کو بھی تحریر ارسال کر دی گئی تھی اور راقم کی ذمہ داری یہیں تک تھی، جو پوری کر دی گئی تھی۔ ادارے کے ہاں البتہ نظم و ضبط کا مکمل فقدان اور صحافیانہ دیانت کی پامالی عرصہ دراز سے اظہر من الشمس ہے، جس کا بار راقم پر نہیں ڈالا جاسکتا۔

رابعاً، اردو زبان میں لکھے مضامین کو صحت و درستگی کے جائزے کیلئے بیروت یونیورسٹی کے عربی اساتذہ کو بھیجنے کی مضمون نگار کی تجویز بھی، ظاہر ہے کہ، دور از کار اور بعید از عمل ہے، اور محض ''تخیل کی بے تکی پرواز'' کے زمرے میں آتی ہے۔ وہ لوگ جناب کے ذاتی خیال آرائیوں پر مبنی مضامین کیسے پڑھ پائیں گے جبکہ خود اردو دانی میں مہارت کے حامل بھی اس قسم کے ابلاغی اخراج (catharsis) سے پناہ مانگ رہے ہوں!!! جناب کی یہ تجویز اس حقیقت کو بھی آشکار کرتی ہے کہ ہماری ''مذہبیت پرست'' اکثریت، بحیثیت قوم، احساس کمتری کا شکار اور عزت نفس سے عاری ہے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں غیروں پر انحصار اس کی قومی روش بن چکا ہے۔ عربوں پر دینی معاملات میں انحصار اور انہی کی اندھی تقلید ہی ہمارے زوال کا باعث رہی ہے، کیونکہ عربوں ہی نے شخصی آمریتیں، صدر اول کے فوراً بعد ہی، قائم کرنے کی بنا ڈالی اور ان کے جواز کیلئے یہودی علماء کی مدد سے قرآن کو مسخ کر کے، اولاً اپنی ہی قوم کو تلوار کے زور پر اسکی حقیقی تعبیرات سے دور، یعنی کرپٹ (corrupt) کیا۔ پھر اسی کرپٹ معاشرے کی اندھی تقلید نے

ہمیں بھی کرپٹ کیا۔ کیونکہ ہم یہ حقیقت، تاریخی شہادات کی موجودگی کے باوجود، ماننے سے انکاری ہیں، اس لئے نہ درستگی احوال کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کی ایسی کوئی کوشش ہمارے لئے قابل قبول ہوتی ہے۔

اب مضمون کے اصل متن کی طرف آتے ہیں۔ تو صفحہ (۴۸) پر اپنے استدلال کی ابتداء میں ہی صاحب مضمون نے ڈاکٹر قمر زمان کی تحریر پر کچھ اس طرح گرفت کرنے کی کوشش فرمائی ہے:-

''معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے یہاں قرآن کے ہوتے ہوئے [دوسری الہامی کتابوں] سے اعلیٰ اقدار کی تعلیم کے حصول کی گنجائش ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن سے پہلے الہامی کتابوں کے بارے میں کہا ہے۔۔۔۔**<u>اس وقت قرآن کے علاوہ تمام کتب محرف و آلودہ متن قرار پا چکی ہیں</u>**۔ بلکہ ان کے متن کی اصل زبان بھی باقی نہیں۔ **<u>اب تمام اعلیٰ اقدار کی مہیمن و محافظ صرف ایک کتاب یعنی قرآن کریم ہے</u>** (المائدہ: ۴۸)''۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ صاحب مضمون نے حوالہ درست دیا ہے یا اپنی ہی <u>کتاب، قرآن حکیم</u>، کی بذات <u>خود تحریف کا ارتکاب</u> فرمایا ہے، اور اپنے تئیں اتھارٹی قرار دیتے ہوئے ایک <u>غیر قرآنی فتویٰ</u> صادر فرمایا ہے۔ ہماری ناچیز رائے میں تو یہ <u>ایک گھناؤنا ارتکاب جرم ہے</u> کیونکہ قرآنی ترجمہ کچھ اور ہی بیان کرتا نظر آتا ہے۔ محکم آیت مبارکہ ہے - کوئی بھی متبادل استنباط ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ملاحظہ فرمایئے:-

(المائدۃ ۴۸): و انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب و مهیمنا علیه...

اور اب دیکھیے کہ درست ترجمہ کس طرح صاحب مضمون کے ترجمے کے برعکس ثابت ہوتا ہے:-

ترجمہ: <u>ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جو تصدیق کر رہی ہے ان کی جو کتابوں میں سے (من الکتاب) پہلے سے موجود ہیں (بین یدیہ) اور ان کی محافظ (مہیمن) بھی ہے۔</u>

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب مضمون کی ''قرآنی بصیرت'' کس طرح <u>یہودی روایات کے تابع ہے</u>، کہ قرآن جن کتابوں کی تصدیق، تائید اور محافظت کر رہا ہے، وہ اپنے یہودی اسلاف کی وفاداری میں انہیں محرف و آلودہ متن قرار دے رہے ہیں اور <u>الٰہی سند کے برعکس، فرمان خداوندی سے مکمل انحراف فرماتے ہوئے، ذاتی فتویٰ جاری کرتے ہیں</u> کہ ''اب تمام اعلیٰ اقدار کی مہیمن و محافظ صرف ایک کتاب یعنی قرآن کریم ہے''۔ غور فرمایئے کہ آیا کہیں ''اقدار'' کا ذکر بھی آیا ہے یا صرف کتابوں کا ذکر ہے؟ پھر <u>جرات رندانہ ملاحظہ ہو</u> کہ آیت کا حوالہ اس امکان پر رقم فرماتے ہیں کہ شاید کوئی حوالہ کھول کر ہی نہیں دیکھے گا اور جناب کی ''علمیت'' کا پردہ فاش ہونے سے رہ جائیگا۔

یوں تو کسی ایک انحراف کی شکایت ہو تو کی جائے، یہاں تو سارا کا سارا قبلہ ہی بگڑا ہوا پایا جاتا ہے۔ ''ہمارے مفتی صاحب'' کا کھوکھلا پن واضح کرنے کیلئے معزز قارئین کو چند آیات مبارکہ کی طرف توجہ دینے کی زحمت دونگا، جو محترم ڈاکٹر قمر زمان کا قرآنی موقف پر زور طریقے سے ثابت کرتی ہیں:-

۱۔ النساء:۴۷ یا ایھا الذین اوتو الکتاب آمنو بما انزلنا مصدقا لما معکم...

ترجمة: اے اھل کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ھم نے نازل کیا ھے (یعنی قرآن پر) کہ یہ اس سچائی کا اعلان کر رھا ھے جو تمھارے پاس پھلے سے موجود ھے۔

۲۔ المائدہ: ۴۶ و آتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور و مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ و ھدی و موعظۃ للمتقین...

ترجمة: اور ھم نے (مسیح) کو انجیل دی جس میں ھدایت اور نور ھے – یہ تورات کی تصدیق کرتی ھے اور متقین کیلئے ھدایت و موعظت ھے۔

۳۔ الانعام: ۹۱ قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی نورا و ھدی للناس...

ترجمة: کھو کہ موسیٰ کو وہ کتاب کس نے دی جو نور بھی ھے اور انسانوں کیلئے ھدایت بھی۔

۴۔ الانعام: ۹۲ ھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ...

ترجمة: یہ مبارک کتاب (قرآن) پھلے سے موجود کتابوں کی سچائی کا اعلان کر رھی ھے۔

۵۔ الانعام: ۱۵۴ ثم آتینا موسیٰ الکتاب تماما علی الذی احسن و تفصیلا لکل شیئی و ھدی و رحمۃ..

ترجمة: پھر ھم نے موسیٰ کو ایک ایسی کتاب دی جو بھترین تعلیمات پر پوری طرح حاوی (تماما)، ھر حقیقت کی تفصیل، ھدایت و رحمت تھی۔

غرضیکہ ارشادات ربانی کے مطابق کہیں بھی قرآن کے علاوہ تمام کتب کو (یا، جدید تحقیق کے مطابق، زیادہ قطعیت سے کہ سکتے ہیں کہ ان کے الہامی متن کو) محرف وآلودہ متن قرار نہیں دیا گیا۔ یہاں پھر صاحب مضمون، حسب روایات سابقہ، کہیں نہ کہیں سے کچھ تاویلات تلاش کرنے کی کوشش فرمائینگے اور اپنی افتادطبع کے مطابق طوالت پسندی کے ہتھیار کا استعمال یا الفاظ کے پھندے ڈالنے کی کوشش فرمائیں گے۔ جناب کو پورا حق ہے۔ لیکن آیات محکمات کے مقابل آنا ممکن نہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ آیت ۴/۴۶ سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی، جو بالآخر کارلا حاصل ہوگا کیونکہ یہ آیت رسالتمآب کے قرآنی ارشادات عالیہ کو بگاڑ کر بتانے کی یہودیوں کی عادت کو آشکار کر رہی ہے۔ آسمانی کتابوں کی تحریف کا وہاں ذکر بھی نہیں ہے۔

بات کو پھر طول دینے کے لئے یہاں پھر صاحب مضمون نے دوعدد آیات قرآنی ایسی پیش فرمائی ہیں (العنکبوت:۴۸ اور الشوریٰ: ۵۲) جن کا سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ بات تو الہامی کتب کی سچائی کی اور قرآن کے ذریعے ان کی تصدیق کی چل رہی ہے، نہ کہ اس ضمن میں کہ رسالتمآب نبوت سے قبل کچھ پڑھتے تھے، یا قرآن اور ایمان کے بارے میں کچھ جانتے تھے یا نہیں!!! یعنی وہی وقت کا ضیاع کرنے کیلئے غیر متعلق مواد پیش کر کر کے معاملے کو بیزار کن حد تک طویل کر دینے کی جانی بوجھی کوشش!

اور اب خدا خدا کر کے ہم جناب کے مرکزی نکتے (صفحات ۳۲-۲۹) تک پہنچنے کے قابل ہوتے ہیں۔ آیات متعلقہ اور

انکے تراجم پہلے ہی دیے جا چکے ہیں۔ ماء اور ماءً من السماء کی اصطلاح جو دونوں خاص مقامات پر استعارتاً استعمال ہوئی ہے، اس کا جواز اور ثبوت بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ صاحب مضمون نے یہاں ماء کے لفظی معانی پر اصرار کرتے ہوئے اس مختصر سے مدعے کو کہاں تک پھیلا دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں لے جائی جا رہی ہے:-

۱-آیت کا محل وقوع، سیاق وسباق دیکھا جائے ۲-جنگ بدر کا پس منظر دیکھا جائے ۳-فتح کے اسباب محرکات کی بات کی جائے ۴-نصرت الٰہی کا تذکرہ ۵-میدان جنگ میں نزول وحی کا مدعا ۶- وحی ''مطلقاً لفظوںؓ کی تاثیر یا اعلیٰ اقدار کی تعلیم''؟ ۷-وحی تخیلاتی نوعیت کا کرشمہ یا ''روحانی عمل''؟ ۸-وحی رسالت معین ومتعین الفاظ کی صورت میں یا کچھ اور؟ ۹-ماننا پڑیگا کہ وحی رسالت پر عمل کے نتیجے میں بطور روحانی یا خیالی نصرت ماء بمعنی وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ محسوس اور قابل دید نصرت ہوئی تھی؟ ۱۰-صرف ماء کا لفظ وحی نہیں بلکہ ماء سمیت تمام کلمات وحی ہیں؟ ۱۱- ''اذ یغشیکم النعاس آمنۃ'' کا حوالہ ۱۲- لفظ ''اذ'' کے قرینے کی تعلیم دینے کی کوشش؟ ۱۳- ''ولقد'' کے قرینے اور استعمال کی تعلیم اور اس کیلئے چار عدد آیات کریمہ کا حوالہ ۱۴-لفظ وحی کے فعل کے صیغوں کی موجودگی میں ماء کے مجاز کی ضرورت؟ ۱۵- واٹر سرکل؟؟ ۱۶-انسان کا عنصری اور غیر مرئی وجود؟؟ ۱۷-طہارت، حوائج ضروریہ، پیاس کی تسکین وغیرہ، وغیرہ ـــــ العیاذ باللہ!

یعنی **''کہہ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی''**

یہاں صرف بسیار نویسی کے شوق میں معقولیت کی حدود سے ماوراء گزر جانے کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یا یہ اصل مدعے کو بے معنی لفاظی کی ''طاقت'' سے اتنا زیادہ پھیلا دینا ہے کہ اس کا اصل مرکزی نکتہ ہی نظروں سے غائب ہو جائے۔ روایاتی اثرات کا غلبہ نمایاں ہے، کیونکہ استخراجی انداز فکر ہر ہر لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ موصوف کی خدمت میں قرآن کی زبان میں مختصراً صرف یہ واضح کیا گیا تھا کہ مولائے کریم نے یہاں ماءً من السماء، یعنی آسمانی پانی کا کیا مجازی یا استعاراتی معانی استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے کہ عام پانی نہ تو انسان کے ارادوں کو ثبات عطا کر سکتا ہے؟ نہ ہی شیطانی اعمال کی گندگی، یعنی منفی کردار سے بچا سکتا ہے؟ نہ ہی دلوں کو مربوط کرنے کا عمل کر سکتا ہے؟ جناب کوئی بھی

راست اور دوٹوک قرآنی استدلال نہ کر پائے۔ بلکہ ''خوئے بد را بہانہ ء بسیار'' کے مصداق لایعنی لن ترانیوں کے دریا بہا دیئے۔ اب تک یہی افلاطونی منطق، یعنی علم الکلام سے شوق فرمائی ہی جناب کا مخصوص طرز تحریر ثابت ہوا ہے۔ البتہ یہ احقر خدمت اقدس میں صرف مندرج ذیل نکات ہی پیش کر سکتا ہے:

۱- واضح ہو کہ عام پانی آسمان سے نہیں آتا بلکہ قرآن میں بیان کردہ واٹر سائکل کے مطابق سمندروں سے بخارات کی شکل میں اٹھتا اور بادلوں سے گرتا ہے۔

۲- کہ آسمانوں سے منہ، ہاتھ اور پیر دھونے اور ناپاکی دور کرنے کی بچگانہ کلاسوں کی تعلیم نہیں اترتی؟ یہ تعلیم تو والدین ہر بچے کو عمر کے ابتدائی حصے میں ہی سکھا دیتے ہیں۔ آسمانوں سے حوصلے بلند اور دلوں کو تقویت دینے والے بلند و بالا نظریات، اصول و اقدار نازل

ہوتے ہیں۔

۳- آسمانوں سے وہ تعلیم آتی ہے جس سے ذہنوں کی تطہیر ہوتی ہے اور شیطانی نظریات دور ہوتے ہیں۔

۴- آسمانوں سے وہ وحی نازل ہوتی ہے جو قوموں اور قبیلوں کو سعی وجد وجہد کی بھٹیوں سے گزار کر کندن بنا دیتی ہے۔ پھر ان کا ہر منشا، منشائے خداوندی اور سکہ رائج الوقت بن جاتا ہے۔

۵- آسمانوں سے حکومت الٰہیہ کا منشور اترتا ہے۔ فلاحی مملکت کو قائم کرنے اور اسے govern کرنے کے قوانین اترتے ہیں۔ نماز کے نام پر اٹھک بیٹھک کے مضحکہ انگیز طریقے اور نجاست و جنابت کے گھٹیا مسائل نہیں اترتے۔

۶- آسمانوں سے ماء بشکل قوموں کی حیات آفرینی کی اقدار و اصول نازل ہوتا ہے۔ بیت الخلاء (الغائط) کے استعمال اور جسمانی عوارض و امراض اور پاکی و ناپاکی میں استعمال ہونے والا پانی تو ہر دریا، ندی، چشمے اور کنویں میں بافراط میسر ہوتا ہے۔ بھلا ایسی اذل ہی سے معروف و مستعمل چیز کا قوموں کیلئے نازل شدہ منشور میں ذکر کیوں کیا جائیگا اور اس کے ذریعے عظیم آدرشوں کے حصول کا ادراک کیسے دیا جائیگا۔

قرآنی تعلیمات کی بلندی و مقاصد کی گہرائی کو لفظی تراجم کے غیر مسلمہ اسلوب کے ذریعے بگاڑ کر انتہائی معمولی و پست نوعیت کی طفلانہ ہدایات کی شکل دینا معاصر یہودی مقتدرہ کے لائے انقلاب معکوس کا مقصود و منشاء تھا۔ بنوامیہ کے سفاک ڈکٹیٹر اپنے جابرانہ اقتدار کے دوام کے لئے ایسی ہی جوہری تبدیلی چاہتے تھے اور اسی لئے ان یہودی علماء کے سرپرستوں کا کردار ادا کرتے رہے۔ یہیں سے تنزل و انحطاط کے دور کی ابتداء ہوئی اور مآل کار آج دنیائے اسلام کافر کی غلامی کا شکار ہے۔ اور اس غلامی در غلامی سے نجات کی کوئی صورت سامنے نظر نہیں آتی۔ سوچ کا یہی پیرایہ تمام عالم اسلام پر حاوی ہے۔ موجودہ دور کے عظیم ترین مفکر قرآن علامہ اقبال کا فیصلہ بھی گوش گزار کر دیا جاتا ہے، جنہوں نے فرمایا:- **منزل و مقصود قرآں دیگر است رسم و آئین مسلمان دیگر است**

اقبال کے مطابق بھی "حقیقت خرافات میں کھو' چکی ہے۔ صاحب مضمون اسی خرافات کو بڑھاوا دینے کے فرض کی نہایت خلوص نیت کے ساتھ انجام دہی میں مصروف ہیں۔ حقیقت کی طرف واپسی کا سفر کیونکہ ایک مہیب سیلاب بلاء سے ٹکرانے کے مترادف ہے اس لئے جناب پہلو تہی فرما رہے ہیں۔ شاید اس بہتی غلیظ گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع میسر بھی ہے اور خوش آگیں بھی معلوم ہوتا ہے اور متاع دنیا کی یہ چاہ، آخرت کے عظیم اجر سے غافل کر رہی ہے۔ ہمارا فرض صرف آگاہی دینا ہے۔ وہ بھی مختصر اور دوٹوک الفاظ میں۔ فیصلے کا مکمل اختیار و حق جناب کو حاصل ہے۔ قرآن کے جس مفہوم کی جناب وکالت فرماتے ہیں اسکے بارے میں اقبال نے جو فیصلہ دیا پیش کر دیا گیا۔ مزید توثیق درج ذیل کا اقتباس کر دیگا:-

"قرآن حکیم کے مطالب و مقاصد میں اگرچہ بے حد معنوی تحریف ہو چکی ہے، اسکا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علماء کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اسکے معانی پر بے حد شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اس کے کسی ایک امر مبہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانان عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اس کو لوگ جو

کچھ مان رہے ہیں، مونہوں، لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اس کے الفاظ بعینیہ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا۔" علامہ المشرقی: تذکرۃ جلد اول، صفحہ ۳۳-۳۴۔

اور یہی مستند الفاظ قرآنی ہیں جنکے درست معانی افکار و خیالات و احساسات کی ایک نئی دنیا انسان کے سامنے کھول دیتے ہیں اور وہ نماز کے ڈھکوسلے کے ذریعے رائج شدہ گناہ-معافی-پھر گناہ-اور پھر معافی کے پست شیطانی چرخے (vicious circle) کی گرفت سے آزاد ہو کر حقیقی صداقتوں کی فکر انگیز روشنیوں کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ خیال رہے اقبال نے یہ بھی تاکید فرمائی تھی: -

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی　　　رستہ بھی ڈھونڈھ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اللہ آپ کو مقصد کی تعیین کا شعور اور اختصار پسندی کا وصف عطا فرمائے اور لفاظی کی لامتناہی و لایعنی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہنے سے محفوظ فرمائے۔